ابراہیمی مذاہب اور نبی کریم ﷺ

مولانا محمد اسماعیل آزاد

قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کے بعد دعا فرمائی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (۱)

اے ہمارے رب! ان میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرما، جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اور ان کا تزکیہ کرے۔

اللہ پاک نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور مکہ معظمہ میں جو خانۂ کعبہ کی وجہ سے مشہور تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ سامی نسل کے یہ تینوں مذاہب ابراہیمی سلسلے کے مذاہب کہلاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام اور، حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام بہ طور نبی مبعوث ہوئے۔ حضرت اسحاق کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نبی ہوئے، جن کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام ہوئے۔ پھر حضرت اسماعیل کے سلسلۂ نبوت میں حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے سلسلے میں حضرت ایوب علیہ السلام نبی ہوئے۔ ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ حضرت اسماعیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین ساڑھے چار سو سال کا فاصلہ ہے۔

تورات میں حضرت ابراہیم کے تذکرے میں ان کی ایک خصوصی سنت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ کے نام پر ایک قربان گاہ بناتے اور اسے بیت ایل کہتے تھے، یعنی خدا کا گھر۔ تورات کی پہلی کتاب پیدائش میں مذکور ہے:

تب خداوند نے ابرام کو دکھائی دے کر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا، اور اس نے وہاں خداوند کے لئے جو اسے دکھائی دیا تھا ایک قربان گاہ بنائی۔ اور وہاں سے کوچ کر کے

اس پہاڑ کی طرف گیا جو بیت ایل کے مشرق میں ہے اور اپنا ڈیرا ایسے لگایا کہ بیت ایل مغرب میں اور عی مشرق میں پڑا اور وہاں اس نے خداوند کے لئے ایک قربان گاہ بنائی اور خداوند سے دعا کی۔(۲)

اور وہ کنعان کے جنوب سے سفر کرتا ہوا بیت ایل میں اس جگہ پہنچا جہاں پہلے بیت ایل اور عی کے درمیان اس کا ڈیرہ تھا۔یعنی وہ مقام جہاں اس نے شروع میں قربان گاہ بنائی تھی اور وہاں ابراہم نے خدا سے دعا کی۔(۳)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی حضرت ابراہیم السلام کی اس سنت کی پیروی کی اور انہوں نے بھی اس مقام کا نام جہاں خدا ان سے ہم کلام ہوا تھا بیت ایل رکھا۔(۴) تورات کے مطابق حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب نے اس گھر کو بیت ایل اور قربان گاہ کہا ہے۔اس زمانے میں ان انبیاء کی تعلیمات میں قربانی ہی اصل عبادت تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اسی سنت پر اس وقت بھی عمل فرمایا جب وہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکے کی وادی غیر ذی زرع میں اللہ کے گھر کے نزدیک چھوڑ گئے۔انہوں نے اس وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی:

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ (۵)

اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے معزز گھر کے قریب ایک ایسی وادی میں آباد کیا ہے جہاں کھیتی (تک) نہیں۔

یہ یاد رہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سو سال بعد ہوئے ہیں۔ یعنی اس وقت تک بنی اسرائیل میں اللہ کے لئے کسی عبادت گاہ کا رواج نہیں تھا۔صرف قربان گاہ ہوتی تھی۔دوسری طرف بنی اسرائیل کی دنیا میں آمد سے سینکڑوں سال قبل حضرت ابراہیم نے بیت اللہ کی تعمیر کی، حج کے طریقے اور اس کے لئے عام اعلان کیا، حج کے لئے چار مہینوں کو اشہر الحرام قرار دیا، اور پھر پورے ملک میں اس کی تعمیل ہوئی۔ اہل عرب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے احکامات یعنی بیت اللہ میں عبادت، طواف، سعی صفا و مروہ، عرفات میں قیام، منیٰ کی قربانی اور رمی جمار پر مکمل طور پر عمل کیا۔یہ بھی یاد رہے کہ اس وقت بھی عرب قبائلی علاقہ تھا۔اور حضرت ابراہیم علیہ السلام یا حضرت اسماعیل عرب پر حکمران نہیں تھے، صرف ان کے لئے اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے۔البتہ اہل عرب نے ان انبیاء کی اطاعت کی۔

یہ سارا کام حضرت موسیٰ سے چار پانچ سو برس پہلے اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے ایک ہزار برس پہلے ہو۔ اس طرح بیت اللہ کی عبادت اور حج کے اعمال نے نبی اسماعیل کو بنی اسرائیل سے واضح طور پر الگ کر دیا۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر، حج کا اعلان اور حج کے دیگر احکامات حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کی حیات میں روبہ عمل آئے۔ بنی اسرائیل تو اس کے سو یا پچاس سال کے بعد عالم وجود میں آئے۔ جب حضرت یعقوب جوان اور صاحب اولاد ہوئے، اس وقت ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ یہ تاریخ حقائق ہیں۔ ان سے چشم پوشی ناممکن ہے۔

عربوں کی اکثریت لکھنا پڑھنا نہ جانتی تھی۔ یہ الامیین تھے۔ یہ اپنے شجرہ نسب اور تاریخی کارناموں کے حافظ تھے۔ ان کے حافظے کی یہ خوبی اسلام میں مزید بڑھی اور پورا قرآن پاک حفظ کر کے انہیں عرب صحابہ کرام نے ساری دنیا کو آج تک حیران کر رکھا ہے۔ کیوں کہ تورات وانجیل یا وید جیسی مذاہب عالم کی بنیادی کتب ان کے ماننے والوں کو آج تک حفظ نہیں۔

ایسے فقید المثال حافظے کی حامل قوم کے سامنے جب وحی الٰہی پر مبنی یہ آیات تلاوت کی گئیں:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ (۶)

اور جب ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰھِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّاتُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا وَّطَھِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِO وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍO (۷)

اور جب ہم نے ابراہم کے لئے کعبہ کی جگہ مقرر کر دی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا، اور لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔ لوگ تیرے پاس پیدل چل کر بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی دور دراز کے تمام راستوں سے آئیں گے۔

تو کبھی عرب نے ان تاریخی شواہد کا انکار نہیں کیا۔ چنانچہ کسی ایک روایت میں بھی کسی عرب کی جانب سے حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل، حضرت لوط، حضرت صالح علیہم السلام کی نبوتوں کے تذکرے پر انکار کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ قرآن کی شکل میں وحی الٰہی نے عربوں کو ان کی اپنی تاریخ یاد دلائی جو ان کے سینوں میں محفوظ تھی۔ ان تاریخی بیانات کو عربوں نے اپنی حفظ شدہ تاریخ کے مطابق پایا، جس کی بنا پر انہوں نے ان تاریخی بیانات کی مخالفت کی جرأت نہیں کی۔ بلکہ

اساطیر الاولین (۸) کہہ کر انہوں نے ان قصوں کی تاریخی صداقت کو تسلیم کیا۔ اور ان کے یہ تسلیمی الفاظ وحی الٰہی نے محفوظ کر لئے۔

جیسا کہ تحریر کیا گیا کہ اسرائیلی روایت کے مطابق حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب نے صرف بیت ایل بنایا۔ ان کی حقیقت محض قربان گاہ کی تھی۔ وہاں عبادت طواف، رمی اور قربانی اطراف واکناف کے تمام اہل ایمان کا مقررہ تاریخوں پر اجتماع، یہ اعمال اجتماعی طور پر ادا کرنا صرف مکہ معظمہ میں خانۂ کعبہ (بیت اللہ) اور اس کی عبادات، رکوع، سجود، اعتکاف، طواف، سعی، رمی وغیرہ کسی عمل کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ تعلیمات صرف مکہ معظمہ بیت اللہ کے ساتھ مخصوص ہوئیں۔ اس لئے یہ تمام ارکان واعمال خالص عرب ہیں۔ تورات میں ان کا قطعاً ذکر نہیں ملتا۔ بنی اسرائیل میں خدا کے گھر کی روایت حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں آئی۔ جب حضرت سلیمان نے حکم خداوندی کی تعمیل میں ہیکل سلیمان بنایا۔ اس سے پہلے خدا کے گھر کے متعلق تورات میں پوری وضاحت سے کہا گیا ہے کہ اس سے پہلے لوگ اونچی جگہوں پر قربانی کرتے تھے کیوں کہ ان دنوں تک کوئی گھر خداوند کے لئے نہیں بنا تھا۔(۹)

ان حالات کے بعد حضرت یعقوب کی اولا بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت یعقوب کے بیٹوں نے اپنے بھائی یوسف کو اسماعیلی عربوں کے ہاتھ بیچا، اور وہ اسے مصر فروخت کر آئے۔ (۱۰) اب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے حکمران بنے اور قحط سالی کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ عرب کے لوگ اس زمانے میں بھی مصر سے غلہ منگواتے تھے۔ ابن ہشام کی روایت ہے کہ یمن میں سیلاب سے ایک قبر کھل گئی، اور ایک عورت کی لاش نکلی۔ جس کے گلے میں موتیوں کے سات ہار اور انگلیوں میں مرصع انگوٹھیاں تھیں۔ اس کے سرہانے کی لوح پر ایک کتبہ ملا۔ کتبے کے الفاظ یہ ہیں:

باسمک اللھم اله حمیر اناتا جه بنت ذی سفر بعثت مایرنا الٰی یوسف فابطاء علینا فبعثت لادتی بمد من ورق لتأتینی بمد من طحین فلم تجده فبعثت بمد من ذهب فلم تجده فبعث بمد من بحری فلم تجده فامرت به فطحن فلم انتفع به فافتعلت فمن سمع بی فلیرحمنی واية امرأة حلیا من حلیتی فلا ماتت الامیتتی (۱۱)

تیرے نام پر جو کہ حمیر کا خدا ہے، میں ذوسفر کی بیٹی تاجہ ہوں۔ میں نے اپنے قاصد کو یوسف (علیہ السلام) کے پاس بھیجا تھا۔ اس نے جب دیر لگائی تو میں نے چاندی پھر سونا بھیجا کہ ایک مد آٹا لے آئے، لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ پھر میں نے حکم دیا کہ میرے جواہرات پیس کر

آٹا بنایا جائے لیکن وہ بے کار تھا۔ جو شخص میرا حال سنے اس کو مجھ پر رحم کرنا چاہئے۔ اور جو عورت میرے زیور پہنے گی وہ میری ہی موت مرے گی۔

اس کتبے میں **باسمک اللھم الہ حمیر** کے الفاظ اس وقت لکھے گئے جب مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت تھی۔ یعنی تورات سے کوئی چار سو برس پہلے اور انجیل سے کوئی ایک ہزار برس پہلے عرب میں وحدت باری کا نمونہ موجود تھا۔

انتہا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صلح حدیبیہ کے وقت صلح نامہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور کفار مکہ نے کہا کہ **بسمک اللھم**۔ اس سے ثابت ہوا کہ یمنی شہزادی کے کتبے پر لکھے ہوئے الفاظ یعنی **بسمک اللھم** صلح حدیبیہ تک عربوں میں رائج تھے۔ (۱۲)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں عقیدۂ توحید بنی اسرائیل سے بہت پہلے حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہم السلام کے زمانے میں موجود تھا۔ اور اسی تسلسل میں جنوبی عرب کے علاقے حضر موت کا ایک کتبہ بھی بڑا اہم ہے۔ حضرت معاویہ کے زمانے میں ۴۰ھ سے ۵۰ھ تک حضرت عبدالرحمٰن مصر کے گورنر تھے۔ انھوں نے حضرموت کے منہدم شدہ قلعے حصن عراب پر یہ کتبہ پایا:

> **ونصطاد صید البر بالخیل والقنا وطوراً نصید النون من لجج البحر یلینا**
> **ملوک یبعدون من الخنا شدیدٌ علی اھل الخیانۃ والغدر تقیم لنامن دین**
> **ھود شرائعاً ونؤمن بالآیاتِ والبعث والنشر اذا ماعدو حلَّ ارضا یریدُنا**
> **برزنا جمیعا بالمثقفۃ السمر (۱۳)**

> ہم گھوڑوں اور برچھوں سے خشکی کا شکار کرتے ہیں اور کبھی دریا کی تہ سے مچھلیاں نکال لاتے ہیں، ہمارے حکمران وہ سلاطین ہیں جو بدکاری سے بہت دور ہیں اور غداروں اور خیانت کاروں کے حق میں بہت سخت ہیں، وہ ہمارے لئے ہود کے مذہب کے مطابق شریعت قائم کرتے ہیں اور ہم احکام الٰہی اور بعثت ونشر پر ایمان لائے ہیں جب کوئی دشمن ہماری زمین کا قصد کرتا ہے تو ہم گندم گوں نیزے لے کر نکل پڑتے ہیں۔

شریعت حضرت ہود کے مذہب کے مطابق اللہ کے احکام اور قیامت پر ایمان کے الفاظ سے واضح طور پر ایک اللہ کے عقیدے کی وضاحت ہو رہی ہے۔ یہ بھی حضرت موسیٰ سے قبل کے حالات ہیں۔ اسی طرح شمالی عرب میں ثمود کے پہاڑوں میں کھدائی کے ذریعے بنائے ہوئے مکانات تو آج تک موجود ہیں، یہ صالح علیہ السلام کی قوم کے آثار ہیں۔ یہ بھی توحید کے مبلغ اور اللہ کے نبی تھے۔ یہ تمام تفاصیل یہ

ظاہر کرتی ہیں کہ حضرت موسیٰ سے قبل عرب علاقوں میں موجود اللہ کی توحید کا عقیدہ عربوں کی رگ رگ میں بھرا ہوا تھا۔ البتہ بعد کے عربوں میں بنو خزاعہ کے ایک سردار نے شام سے ہبل کا بت درآمد کر کے بت پرستی کی ابتدا کی، اور آگے چل کر یہ نوبت بھی آئی کہ عربوں کے ہر قبیلے نے اپنا بت خانہ کعبہ میں لا رکھا۔

چناں چہ اہل عرب حج کے وقت لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک میں یہ اضافہ بھی کرنے لگے کہ ''سوائے ان کے جو تو نے شریک کئے''۔ یہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی تعلیمات پر بت پرست عربوں کے اپنے اضافے تھے۔ لیکن اللھم لبیک کہہ کر کہ ''اے اللہ ہم حاضر ہیں'' حج کے دوران اہل عرب دورِ جاہلیت میں بھی اللہ ہی کو پکارتے تھے۔ اس دور میں بھی اللھم کے ساتھ ہبل یا دوسرے دیوتاوں، دیویوں کو پکارنے کا ان کے ہاں کوئی رواج نہیں تھا۔

اس تفصیل کے بعد عیسائیوں اور مسلمانوں کے اختلافات کے حوالے سے منٹگمری واٹ کی رائے دیکھئے۔ وہ کہتا ہے:

> In this materialistic and atheistic world it is important that many more christians should realize that, despite the recalcitrance of their genuine dogmatic differences from Islam, there is a spiritual blood-relationship between themselves and the Muslims.... Are not both spiritually, sometimes also physically, the seed of Abraham. (14)
>
> موجودہ مادہ پرست اور خدا کی منکر دنیا میں یہ ضرور ہے کہ عیسائی اکثریت یہ سمجھے کہ ان کے اسلام کے ساتھ فقہی اختلافات کے باوجود عیسائیت اور اسلام میں روحانی اور خونی رشتے موجود ہیں کیا یہ دونوں مذہب روحانی اور مادی طور پر ابراہیم کی نسل نہیں ہیں۔

دراصل مستشرقین نے عربوں کے لکھنے پڑھنے کی عادت سے محرومی کو اپنے مزعومہ خیالات کے اثبات کے لئے بہانے کے طور پر استعمال کیا، ان کی قوت حافظہ کا انکار کیا اور یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دین اسلام کو عیسائیوں اور یہودیوں سے اخذ کرنے کا خیال بار بار پیش کیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ روایت جو اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے چلی اس کو جان بوجھ کر چھپا دیا۔ اس طرح یہود و نصاریٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلے سے نسلاً تعلق رکھتے ہوئے بھی ان کی تعلیمات سے روگردانی اختیار کی۔ اور خود مختار ہو گئے۔

ایک مشہور مغربی مصنف جو خود دہریہ تھا ابراہیمی سلسلے کے دیگر مذاہب اور اہل عرب کے مذہب کے متعلق بت پرستی اور ستارہ پرستی کے تذکرے کے بعد کہتا ہے:

> But in that country the one-god belief was always that of the higher class of minds, at least within historic time; it is therefore not incorrect to term it the Arabian creed. (15)
>
> لیکن اس ملک (عرب) میں ایک خدا پر ایمان ہمیشہ سے اعلیٰ درجے کی ذہانت رکھنے والوں میں ہر حال تاریخی زمانوں میں موجود رہا ہے۔ اس کے اس عقیدے (توحید) کو عربی عقیدہ کہنا غلط نہ ہوگا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے عقیدۂ توحید اخذ نہیں فرمایا بلکہ یہ عقیدہ عرب میں ہمیشہ اعلیٰ دماغوں میں موجود رہا ہے، اور ان اعلیٰ دماغوں میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل رہے ہیں۔ یہ ایک غیر جانب دار شخص کی گواہی ہے، جسے ہم سب کو قبول کرنا چاہیے۔

پہلے ابراہیمی توحیدی مذہب عرب کے ذکر کے بعد وائن وڈ حضرت موسیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> Moses had been an Egyptian priest, and the unity of God was a fundamental article of that religion. The unity of God was also the tenet of the more intelligent Arabs of the desert. Whether therefore we regard that great man as an Egyptian or as an Arab, it can scarcely be doubted that the views which he held of the Deity were as truly unitarian as those of Mohammed and Abd-ul-Wahhab.(16)
>
> حضرت موسیٰ علیہ السلام مصری عالم تھے اور خدا کی وحدت ان کے مذہب میں ایک بنیادی عقیدہ تھا، خدا کی وحدت ریگستان کے اعلیٰ ذہانت کے عربوں کا بھی عقیدہ تھا۔ اس لئے اگر ہم حضرت موسیٰ کو ایک برگزیدہ مصری یا برگزیدہ عرب مان لیں تو اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ وہ نکتہ نگاہ جو حضرت موسیٰ کا تھا صحیح طور پر موحدانہ تھا، جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے بعد ہمارے دور کے عرب محمد عبدالوہاب کا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء رئیس الموحدین اور ان کے بعد حضرت اسماعیل حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام توحید ربانی کے معلمین تھے۔ اور یہ سب عرب کی حدود میں گزرے ہیں۔

ان کے بعد حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور سب سے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم توحید ربانی کے معلم بنا کر بھیجے گئے تھے۔ مستشرقین اپنی جاہلانہ فکر کو تحقیق کے نام سے ظاہر کر کے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عربوں میں مبعوث ہوئے۔ آپ خود بھی امی تھے اور عرب بھی امی تھے۔ اس لئے

توحید باری تعالیٰ آپ صرف یہود و نصاریٰ ہی کے ذریعے حاصل کر سکتے تھے۔ چناں چہ مستشرقین کبھی بحیرہ راہب، کبھی ورقہ بن نوفل اور کبھی زید بن حارثہ کو وہ ذرائع قرار دیتے ہیں جن سے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید باری اخذ کی۔ حالانکہ اس جاہلانہ فکر پر ہم تنقید کر کے دیکھ چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عرب کے لوگ توحید باری ابراہیم، اسماعیل، حضرت لوط، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام سے اخذ کر چکے تھے۔ اس طرح عقیدۂ توحید خالص عربی روایت ثابت ہوتی ہے۔

تورات نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے وضاحت سے کہا ہے:

> اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا۔ اور تیر انداز بنا۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا۔ (۱۷)

تورات میں ہی حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹوں کے نام درج ہیں، اور پھر تحریر ہے کہ ان ناموں سے ان کی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد ہوئیں۔ اور یہی بارہ اپنے اپنے قبیلوں کے سردار بنے۔ (۱۸)

تورات میں حضرت اسماعیل کے بیٹے قیدار کی نسبت کہا گیا ہے:

> اے سمندر پر گزرنے والو اور اس میں بسنے والو! اے جزیرو اور ان کے باشندو خداوند کے لئے نیا گیت گاؤ، زمین پر سر تا سر اسی کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں، سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔ (۱۹)

یاد رہے کہ کوہ سلع مدینے کا پہاڑ ہے۔ بنی اسرائیل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کے علاوہ تورات نے حضرت اسماعیل کے بیٹے قیدار کے بارے میں جو کچھ کہا اس پر سرخی یہ ہے ''عرب کی بابت بارِ نبوت''۔ (۲۰)

ان تمام بیانات کا نتیجہ یہ ہے کہ بنی اسماعیل عرب کہلائے اور قیدار چوں کہ حجازی تھے اس لئے بنی اسماعیل جہاں آباد ہوئے وہ فاران بھی حجاز ہی ہے۔ کیوں کہ قیدار کو عرب کہہ کر تورات نے ان کے جائے قیام یعنی بنی اسماعیل کے علاقے کو ہی فاران قرار دیا ہے۔

مشہور عیسائی مصنف فورسٹر (Forestter) جس نے تورات میں مذکور مقامات کا جغرافیہ لکھا اس سلسلے میں رقم طراز ہے:

> یسعیاہ نبی نے قیدار کے جس ملک کا ذکر کیا ہے اس کو ہر شخص جو جغرافیۂ عرب سے واقف ہے فوراً کہہ دے گا کہ وہ عرب کے صوبۂ حجاز کا صحیح نقشہ ہے۔ جس میں مکہ اور مدینہ کے مشہور شہر واقع ہیں۔ عربوں کی قوی روایت بھی تاریخی مرتبہ حاصل کر لیتی ہے، جب اس

کی تصدیق کتبہ مقدسہ سے ملتی ہے جس سے قیدار کا اسی حصۂ ملک میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔
اور دوسری طرف اریانوس، بطلیموس اور پلینی کے بیان سے ملتی ہے۔ جو قیداری قوم کی اس صوبے میں موجودگی کی غیر مشتبہ شہادت دیتے ہیں۔(۲۱)

ان تمام تاریخی شواہد کو مدنظر رکھتے ہوئے منٹگمری واٹ جیسے مستشرق کا تینوں ابراہیمی مذاہب کے بارے میں یہ خیال کہ ان کے درمیان تعلقات خوش گوار ہونے چاہئیں اور کسی بھی فریق کو صرف خود کو حق پر اور دوسرے کو ناحق پر سمجھنے کا خیال ترک کر دینا چاہئے۔ اگر چہ کہ درست ہے لیکن سب سے پہلے ابوالانبیاء کی تحریک توحید باری تعالیٰ، ان کا اپنے صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر اور حج کا اعلان، اور اس ورثے سے باقی دو ابراہیمی شاخوں یعنی یہودیت وعیسائیت کا انکار ان تینوں مذاہب کے درمیان خوش گوار تعلقات میں اصل حارج ہے۔

دین و مذہب ابراہیمی سلسلے میں وحی الٰہی پر مبنی ہے۔ اس لئے ابراہیمی سلسلے کے دو مذاہب یہودیت وعیسائیت کے ماننے والے ایک طرح سے تین متخاصم ومتضاد نظام کس طرح ایک دوسرے سے خوش گوار تعلقات رکھ سکتے ہیں؟ دور جدید کے مغربی لوگ کتنے ہی سیکولر بن جائیں اپنے مذہب عیسائیت کی تعریف اور اسلام کی مخالفت تو ان کے خون میں شامل ہے۔ کروسیڈ (Crusade) ان کو ایسا یاد ہے کہ حادثہ ۱۱ ستمبر کے فوراً بعد امریکہ کے صدر بش کی زبان سے یہ لفظ سب سے پہلے نکلا۔ ان حالات میں ایک دوسرے کے تعلقات محض اپنے معاش وسیاسی مفادات کے لئے ہوتے ہیں۔ مذہب سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

ان تین مذاہب کے درمیان جس خونی اور روحانی رشتے کا ذکر منٹگمری واٹ نے کیا ہے۔ اس کی دریافت اور پھر اسے تسلیم کرنے کے بعد ہی ان تین مذاہب کے درمیان خوش گوار تعلقات کے امکانات واضح ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ان کے مابین سب سے پہلا رشتہ تو سامی نسل کا ہے۔

۲۔ روحانیات میں سب سے بڑا رشتہ توحید باری تعالیٰ کا ہے۔

۳۔ ابراہیمی سلسلے کی بنیادی روحانی تعلیم پر ہے کہ اس میں خود ابراہیم نے اپنے بعد ایک نبی کے مبعوث ہونے کی دعا کی۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود کو آخری نبی نہیں سمجھتے تھے۔

۴۔ حضرت موسیٰ کی بنیادی تعلیم میں بھی توحید اور شریعت کی پابندی کے ساتھ یہ عقیدہ شامل ہے کہ آخری نبی آنے والے ہیں، حضرت موسیٰ آخری نبی نہیں ہیں۔

۵۔ حضرت عیسیٰ کی بنیادی تعلیم میں بھی توحید اور نیک اخلاق کے ساتھ یہ عقیدہ موجود ہے کہ

حضرت عیسیٰ کے بعد ایک آخری نبی تشریف لائیں گے، اس طرح حضرت عیسیٰ آخری نبی نہیں ہیں۔

اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ تو تمام انبیائے ماسبق کی تصدیق کے ساتھ بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ اور چوں کہ رسول اللہ کے آخری نبی ہونے کی بشارتیں تورات وانجیل میں دی گئی ہیں، اس لئے تورات کے ماننے والوں پر تورات کی طرف سے اور انجیل کے ماننے والوں پر انجیل کی طرف سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ان ہی کے بیان کردہ آخری نبی پر ایمان لائیں۔

ادھر تورات اور انجیل میں آخری نبی کے تذکرے موجود ہیں۔ دوسری جانب قرآن پاک میں یہ ارشاد ہے کہ اہل کتاب اس آخری نبی کے بارے میں اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اور یہ آج تک لکھا ہوا چلا آرہا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَ هُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ (۲۲)

وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں اسے لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اب یہ کام رہ گیا کہ تینوں مذاہب کے نمائندہ اہل علم اس مسئلے پر مل کر غور وخوض کریں۔ اگر تورات وانجیل پر کچھ لوگ ایمان رکھتے ہیں تو ان میں موجودہ آخری نبی کے ظہور کو سمجھ کر ان کتابوں کی صداقت کو تسلیم کریں۔ اور یوں یہ تینوں مذاہب آخری نبی پر ایمان کی بنیاد پر اکٹھے ہوسکتے ہیں۔ اور یہ اجتماع تورات، انجیل اور قرآن کے مطابق ہوگا۔

حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے متعلق ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ ان بزرگوں نے خود کو آخری نبی نہیں قرار دیا۔ جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں **انا خاتم النبیین لانبی بعدی** (۲۳) فرمایا۔ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پورے قرآن پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے **من قبلک** کے الفاظ بہت سی مرتبہ آئے ہیں لیکن آپ ﷺ کے تعلق سے **من بعدک** کے الفاظ کہیں موجود نہیں۔

منٹگمری واٹ جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا تصور بڑی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے اور دوسری طرف یہودی اور عیسائی اس بنیاد سے محروم ہیں۔ اس لئے وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ خوش گوار تعلقات کے لئے وہ آخری نبی کا خیال یعنی عقیدۂ ختم نبوت ترک کریں۔ اس طرح پادری منٹگمری واٹ خود ابراہیمی مذاہب میں تفریق کے بیج بوتا ہے۔ منٹگمری واٹ مسلمانوں سے کہتا ہے:

> To abandon their exclusivism... reinterpret their conception of the finality of Islam and of Muhammad being the last Prophet. (24)

صرف اپنے ہی برحق ہونے کا خیال ترک کریں، اور اسلام کے آخری مذہب ہونے اور نبی کریم ﷺ کے خاتم النبین ہونے کے اپنے عقیدے پر نظر ثانی کریں۔

واٹ اور دوسرے مستشرقین حج، بیت اللہ اور اس کی دیگر عبادات کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ مشرکین مکہ کی رسم تھی، جسے بعد میں اسلام نے اپنا لیا۔ چنانچہ واٹ لکھتا ہے:

When one religion replaces another, it usually finds it advantageous to take over the previous observance of sacred places and sacred times and gives it justification from its own tradition. In islam pre-Islamic rites connected with the pilgrimage to mecca have been taken over in their external forms, but have been given an Islamic significance. (25)

جب ایک مذہب دوسرے کی جگہ لیتا ہے تو عموماً اسے پچھلے مذہب کے مقدس مقامات اور مقدس ایام کو اپنانے میں فوائد نظر آتے ہیں، لیکن ان ماخوذ چیزوں کو نیا مذہب اپنی تاویلات دیتا ہے۔ اسلام میں زمانۂ قبل از اسلام کی مکہ کی زیارت کی رسوم اپنی ظاہری شکل میں اپنالی گئی ہیں۔ لیکن انہیں اسلامی اہمیت دے دی گئی ہے۔

یہ واٹ کی واضح کم علمی ہی سمجھی جاسکتی ہے کہ اس نے تورات میں بیت ایل کے تذکرے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیت ایل اور قربان گاہ بنانے، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیت ایل اور ایک قربان گاہ بنانے کو بھلا دیا۔ حالاں کہ حضرت یعقوب نے حضرت ابراہیم کی پیروی میں قربان گاہ بنائی۔ اور اسماعیل نے قربان گاہ اور بیت ایل بنا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احکام حج کو جاری رکھا۔ یوں سوچا جائے تو تینوں ابراہیمی سلسلے ایک دوسرے سے قریب معلوم ہوتے ہیں۔ چناں چہ قربان گاہ کے اس ابراہیمی تصور کی موسیٰ علیہ السلام نے بھی پیروی کی۔

حضرت موسیٰ کے زمانے میں عبادت گاہ نہیں ایک خیمہ خداوندی تھا جس میں تورات ہوتی اور وہاں جا کر اس کی تلاوت ہی عبادت تھی۔ اس کے باہر قربان گاہ تھی۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے ہیکل سلیمانی بنایا۔ اب تورات وہاں رکھی جانے لگی۔ اور یہودی عقائد کے مطابق حضرت اسحاق کی قربان گاہ کی چٹان صخرہ بھی متبرک رہی۔ یہ بھی ابراہیم کی پیروی تھی۔ اب اس کے ساتھ یہودی بیت اللہ کے حج کی ابراہیمی سنت اور اسماعیل کی قربانی کی یادگار اگر تسلیم کرلیں تو یہ دوری ختم ہوسکتی ہے۔ کیوں کہ ہیکل سلیمانی پر کسی سالانہ اجتماع کی روایت نہیں ہے۔ دوسری طرف ایام حج میں سارے ملک کے حاجی حضرت ابراہیم

کے زمانے سے ہی حج کے اجتماع میں باقاعدگی کے ساتھ شرکت کرتے آئے ہیں۔

رہا سوال مشرکینِ مکہ کی بت پرستی کا تو اسے اسلام نے واضح طور پر رد کردیا۔ اور فرمایا:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ O (٢٦)

ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، وہ تو خالص مسلمان تھے، اور وہ مشرکین میں سے بھی نہیں تھے۔

دراصل بے دین مستشرقین ابراہیمی سلسلے کے تینوں مذاہب کو اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق رسومات اختیار کرنے والے اور اور دوسروں کی رسومات کو اپنانے والے سمجھتے ہیں۔ آخر ان کے ہی عالموں نے عقیدۂ تثلیث کے متعلق بیان کیا ہے کہ عیسائیوں نے یہ عقیدہ یونانی، رومی اور دوسری بت پرست اقوام سے اخذ کیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ کیجیے کہ عیسائی عقائد اور رومن دیوتاؤں کی تفصیلات میں کس قدر مشابہت ہے۔

رومن ایمپائر کے دیوتا

ملک	دیوتا کا نام	دیوتا کی ماں	جنم دن	کوائف
۱۔فریجیا	اطس (Attes)	کنواری نانا	۔	تثلیث: سور، اطش اور نانا القاب: اکلوتا فرزندِ خدا، نجات دہندہ، ۲۴؍ مارچ کو مرنے کے بعد دوسرے دن زندہ ہوا۔
۲۔تموز (سیریا)	ادونس (Adonis)	کنواری مادرِ خداوند	۔	تثلیث: خداوند، ادونس اور مادرِ خداوند: مرنے کے بعد جی اٹھا۔
۳۔ یونان	بکس (Baccus)	کنواری دیمیتر	۲۵؍ دسمبر	تثلیث: جیوپیٹر، بکس، ویمیتر القاب: آقائے حیات، نجات دہندہ، مقتول، آزادکنندہ، مرنے کے بعد زندہ ہوا۔
۴۔بابل	بل یا بعل	مادرِ خداوند	۔	تثلیث: سورج، بعل اور مادرِ خداوند، یسوع کے ساتھ مقدمے، مصلوبیت، موت کے وقت طوفان، دوبارہ زندہ ہونے کی تفصیلات میں حیرت انگیز مشابہت

۵۔مصر	اوسائرس	جگت کنواری (Virgin of the Worid)	دسمبر کے آخری ہفتے میں	تثلیث: ہورس، اوسائرس اور جگت کنواری القاب: آدم خدا(Man God) مرنے کے تین دن بعد زندہ ہوا
۶۔روم	متھرا (Mithra)	کنواری اناہیتا (Anaheta)	۲۵/ دسمبر	تثلیث: یزداں، اہرمن اور متھرا القاب: ربِّ اعلیٰ، مقدس نجات دہندہ تہوار: کرسمس اور ایسٹر
۷۔اطالیہ	جیو پیٹر	مزدا	۔	تثلیث: جیو پیٹر، مزدا، جونو

ان مذاہب میں کنواری ماں سے مراد عموماً زمین ہوتی ہے، جسے مادرگیتی، دھرتی ماتا، یا مدر لینڈ کا خطاب دیا جاتا ہے، اور یہ تصور کیا جاتا ہے کہ سورج زمین کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔(۲۷)

پھر ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی اپنی کتب کی تعلیمات کی رو سے یہ بات جانتے تھے کہ آخری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور جزیرۃ العرب میں ہونے والا ہے، اسی لئے انہوں نے اس علاقے کا رخ کیا۔ چنانچہ وائن وڈ رائڈ کہتا ہے:

> Arabia had always been a land of refuge, for in its terrible deserts security might always be found. To Arabia had fled the Priests of the Sun after the victories of Alexander and the restoration of Babylonian idolatry. To Arabia had fled thousands of Jews after the second destruction of Jerusalem. To Arabia had fled thousands of Christians who hed been persecuted by pagan and still more by Christian emperors.(28)

ملک عرب اپنی سنگستانی اور ریگستانی سرزمین کے باوجود اطراف کی اقوام کے لئے ہر مصیبت میں پناہ گاہ رہا ہے۔ سکندر اعظم نے بابل فتح کیا، وہاں بت پرستی نافذ کی تو ہزاروں سورج پرست لوگ بابل سے بھاگ کر عرب میں پناہ گزین ہوئے۔ ہیکل سلیمانی کی دوسری تباہی کے بعد ہزاروں یہودی عرب میں پناہ گزیں ہوئے۔ ہزاروں موحد عیسائی اپنے عقیدے کی حفاظت کے لئے حاکموں یا عیسائی بادشاہوں کے مظالم سے تنگ

آ کر عرب میں پناہ گزیں ہوئے۔

وائن وڈ مزید لکھتا ہے:

اس سے ثابت ہوا کہ تحمل و برداشت کی روح عرب کے نیک حکمرانوں میں پائی جاتی تھی۔(۲۹)

عرب کی حد تک تو یہ بات درست ہے، لیکن آنے والوں کے مذہبی عقائد کی رو سے ان کا ایسے بت پرست ملک میں آنا جہاں ان کی کتب یعنی تورات وانجیل کی رو سے آخری نبی محمد ﷺ کا ظہور ہونے والا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود جیسی منافع خور اور مفاد پرست قوم کا عرب میں آنا صرف اپنی کتب کے بیانات کی بنا پر ہی تھا۔ اور ان کو یقین تھا کہ وہ یا ان کی آئندہ نسلیں آخری نبی کے ظہور کو عرب میں دیکھ سکیں گی۔

عیسائی اہل قلم اپنی عادت کے مطابق یہ بیان مسلسل دہراتے رہتے ہیں کہ قرآن نے تورات اور انجیل کے اثرات قبول کیے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے تورات، انجیل اور قرآن کا تقابلی مطالعہ کبھی نہیں کیا، ورنہ وہ یہ بات ہرگز نہ کہتے۔ قرآن کریم نے تو تورات وانجیل کے بیان کردہ واقعات وعقائد پر تنقید اور ان کی اصلاح فرمائی ہے۔ مختصر أملاحظہ ہو:

۱۔ تورات کی روایت ہے کہ آدمی کو بنانے کے بعد اللہ بہت پچھتایا۔(۳۰)

جب کہ قرآن پاک میں اس طرح کا کوئی بیان نہیں ملتا۔ اس میں تو اللہ کے اسماء الحسنیٰ (اچھے نام) بیان ہوئے ہیں، ان میں ملول ہونے اور پچھتانے کا کہیں ذکر نہیں ہے، اور اللہ کی طرف منفی اعمال کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔

۲۔ تورات کا بیان ہے کہ آدم نے گناہ کیا، اور جان بوجھ کر پھل کھایا۔(۳۱)

جب کہ قرآن کہتا ہے کہ آدم سے لغزش ہوئی، اس نے اللہ سے معافی مانگ لی اور اللہ نے اپنے بندے کو معاف فرمایا۔ اس کا گناہ جان بوجھ کر نہیں تھا۔

۳۔ تورات کے مطابق ابراہیم علیہ السلام نے تین مرتبہ جھوٹ بولا۔(۳۲)

جب کہ قرآن کہتا ہے کہ وہ نہایت سچے نبی تھے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ط اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا O (۳۳)

اور اس کتاب میں آپ ابراہیم کا ذکر بھی کیجئے بے شک وہ نہایت سچے نبی تھے۔

۴۔ حضرت لوط کی بیٹیوں نے قوم کی تباہی کے بعد یہ دیکھا کہ قوم پوری تباہ ہوگئی اب کوئی مرد باقی نہیں، جس سے وہ اولاد حاصل کرسکیں تو دونوں بہنوں نے اپنے باپ لوط سے صحبت کی۔(۳۴)

قرآن نے اس بے ہودہ بات کا تذکرہ نہ کرکے اسے عملاً رد کردیا۔

۵۔حضرت داؤد نے سپاہی اوریا کو جنگ پر بھیجا اور اس کے مرنے کے بعد اس کی خوبصورت بیوی سے نکاح کرلیا۔(۳۵)

قرآن نے حضرت داؤد پر کیے گئے اس الزام کا بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا اور اسے رد کر دیا۔

۶۔حضرت ہارون نے خود سونے کو گلا کر سونے کا بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل کو دیا، بت پرستی سے اس لئے نہ روکا کہ قوم میں اختلاف پیدا نہ ہو جائے۔(۳۶)

قرآن نے ہارون علیہ السلام پر الزام کا تذکرہ نہیں فرمایا، اور اسے رد کر دیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم نے تورات وانجیل سے بیانات اخذ نہیں کئے بلکہ اس کی اصلاح اور اس کے غلط بیانات کی تردید کی ہے۔

خدا کی بادشاہت

ابراہیمی مذاہب میں انجیل کے مطابق یہودیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یحیٰ علیہ السلام (یوحنا) نے نعرہ لگایا تھا کہ توبہ کرو۔خدا کی باشاہت قریب ہے۔(۳۷) حکومت وقت کے ہاتھوں ان کی شہادت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہی دعوت عام دی کہ خدا کی بادشاہت قریب ہے۔(۳۸)

ان دو پیغمبروں کی خوش خبری اس وقت حقیقت بن کر سامنے آئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدنی منشور کی رو سے مدینے کے مسلم معاشرے کے سربراہ تسلیم کئے گئے۔اور اس کے بعد جب مکہ فتح ہوا تو اس موقع پر جناب ابوسفیان نے حضرت عباس سے کہا کہ آپ کے بھتیجے کی سلطنت تو بہت بڑی ہے۔ حضرت عباسؓ نے کہا یہ سلطنت نہیں یہ رسالت ہے۔

۸ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایران، روم اور حبش کے باشاہوں اور دوسرے حکمرانوں کے نام تبلیغی خطوط فرمائے۔ان میں آپ نے خود کو صرف محمد رسول اللہ لکھا۔نہ حاکم، نہ حکومت، نہ سلطان، نہ سلطنت۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدنی معاشرے کی تنظیم کو عیسائی مورخین ومستشرقین شاہانہ قسم کی حکومت قرار دے کر اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغمبرانہ روش کی خلاف ورزی قرار دیتے ہیں۔اور یہ جھوٹ کی حد تک غلط ہے۔

یہ کم علم لوگ کم از کم تورات میں حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہما السلام کے طرز حکومت وطرز رہائش کو پڑھ لیتے پھر اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز رہائش وطرز حکومت سے موازنہ کرتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور اللہ کے بندوں کے لئے اللہ کی بادشاہت کا دور تھا۔ دلوں پر اللہ کا حاضر و ناضر ہونا نقش ہے۔ اللہ کا کوئی بندہ جان بوجھ کر اللہ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ کوئی باقاعدہ فوج نہیں۔ باقاعدہ پولیس نہیں، ساری خدمت رضا کارانہ یعنی فی سبیل اللہ ہے۔ جہاد ہے تو فی سبیل اللہ۔ انفاق مال ہے تو فی سبیل اللہ۔ جس معاشرے میں ساری حیات اور اس کے سارے کام محض للّٰہیت کے لئے ہوں، ایسے ہی معاشرے کو حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ نے خدا کی بادشاہت قرار دیا۔ ان دونوں انبیا نے اپنے دور کو خدا کی بادشاہت نہیں فرمایا بلکہ اس کے قریب آنے کی خوش خبری دی، اور اس اللہ کی بادشاہت کو رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ نظام کی شکل میں دنیا نے ایک بار دیکھا ہے اور دوسری بار دیکھنے کی حسرت ہے۔

یہودی قوم حضرت یعقوب علیہ السلام سے چلی۔ آپ کا نام اسرائیل تھا، اس لئے یہ نسل بنی اسرائیل کہلائی۔ بنی اسرائیل سے کئی سو برس پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل موجود تھی۔ جس کے پاس آج تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیت اللہ کی تعمیر، حج اور قربانی کی روایات چلی آرہی ہیں۔

بنی اسماعیل سے کوئی پانچ سو سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور آپ نے مستقبل کی نشان دہی فرمائی کہ خداوند سینا سے آیا، شعیر سے طلوع ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران میں جلوہ گر ہوا۔ (۳۹)

دیکھئے کوہ سینا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب وحی تشریف لائے۔ شعیر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحب وحی اور فاران سے فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لائے۔ اور یوں فاران ابراہیمی سلسلے کے تینوں مذاہب باہم مل گئے۔

تورات میں جو یہ کہا گیا ہے کہ اسماعیل فاران کے بیابان میں آباد ہوئے، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ساڑھے چار سو برس پہلے کا واقعہ ہے۔ تاریخ عرب اس امر کی شاہد ہے کہ بنی اسماعیل حجاز ہی میں آباد ہوئے، اس لئے فاران سے مراد صرف حجاز ہے اور اس پیشین گوئی کا مصداق صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ البقرہ: ۱۲۸
۲۔ پیدائش: ۱۲۔۷،۸
۳۔ پیدائش: ۱۳۔۳،۴

۴۔ پیدائش۔۳۵:۱۶

۵۔ ابراہیم:۳۷

۶۔ البقرہ:۱۲۷

۷۔ الحج:۲۶، ۲۷

۸۔ القلم:۱۵

۹۔ سلاطین:۳۔۳

۱۰۔ پیدائش:۳۷۔۲۷، ۲۹

۱۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی/ تاریخ ارض القرآن/نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء: ج۱، ص ۲۵، ۲۶۔اس کتبے کو معارف مغربی جغرافیہ دان فورسٹر (Forestter) نے اپنی کتاب میں ص۱۰۳ پر انگریزی ترجمے کے ساتھ نقل کیا ہے

۱۲۔ مسلم کتاب الجہاد والسیر، باب صلح الحدیبیۃ

۱۳۔ تاریخ ارض القرآن: ج۱، ص۲۴۔علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بقول فورسٹر نے اپنی کتاب کے ص۹۰ تا ۹۳ پر یہ کتبہ نقل کیا ہے، البتہ فورسٹر نے بعض اشعار غلط نقل کئے ہیں، جسے انہوں نے چھوڑ دیا ہے

14. P.179 Image of the Prophet Muhammad in the west

15. The Martyrdom of man: Win Wood Reade. P 145

16. The Martyrdom of man: P 159

۱۷۔ پیدائش:۲۱۔۲۰، ۲۱

۱۸۔ پیدائش:۲۵۔۱۳، ۱۶

۱۹۔ یسعیاہ:۴۲۔۱۰، ۱۱

۲۰۔ یسعیاہ:۲۱۔۱۳

۲۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی/ارض القرآن: ج۲، ص۸۹

۲۲۔ الاعراف:۱۵۷

۲۳۔ ترمذی/السنن: ج۴، ص۴۹۹، رقم ۲۲۱۹

24. Image of the Prophet Muhammad in the West. Pp 213

25. Watt. M. Truth in the Religions. Pp 28-29

۲۶۔ آل عمران:۶۷

۲۷۔ ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی/اسلام، پیغمبرِ اسلام اور مستشرقین مغرب کا اندازِ فکر/ بیت الحکمت۔لاہور، ۲۰۰۵ء: ص۵۹

28. The Martyrdom of Man by Winwood Reade: pp201

29. Winwood Reade: pp201

۳۰۔ پیدائش:۲۔۶

۳۱۔ پیدائش:۳۔۵،۷

۳۲۔ پیدائش:۲۰۔۲

۳۳۔ مریم:۴۱

۳۴۔ پیدائش:۲۰۔۳۳،۳۵

۳۵۔ ۲مسموئیل:۱۱۔۲۷

۳۶۔ خروج:۳۱۔۴

۳۷۔ انجیل متی:۳۔۱

۳۸۔ متی:۳۔۲۳

۳۹۔ استثناء:۳۳۔۱،۲

ماہنامہ
تعمیر افکار
کراچی پاکستان

سیرت نمبر

صفحات:۶۶۴　　قیمت ۳۲۰ روپے

۲۴ رنگین صفحات کے ساتھ. خوبصورت پیکنگ میں

۴۳ نئی اور نایاب علمی و تحقیقی تحریروں کا حسین گلدستہ

صرف ۲۲۰ روپے منی آڈر فرما کر یہ قیمتی دستاویز رجسٹرڈ ڈاک سے گھر بیٹھے حاصل کریں

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔۴/۱۷، ناظم آباد نمبر۴، کراچی۔ فون: ۶۶۸۴۷۹۰